رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۸۱

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ہے
سہ ماہی .... ۔

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ہے
سہ ماہی .... ۔

قیمت پرانا پرچہ (۴)

قیمت فی پرچہ (۲)

جلد ۴ | ۳۰ شہریور ۱۳۵۳ف | ۱۵ شعبان ۱۳۶۳ھ | ۵ اگست ۱۹۴۴ء شنبہ | نمبر ۱۷

دوسرے محاذ پر متحدین کا حملہ

اور ترکی کا ردِ عمل

یورپ میں جب مغربی محاذ قائم ہوگیا اور دوسرے مقامات کی طرح ترکی میں بھی ایک ہلچل سی پیدا ہوئی۔ نارمنڈی سے جو خبریں آرہی تھیں ان پر کنٹرول قائم تھا تاہم چند ہفتوں کے بعد ترکی میں سکون پیدا ہوگیا اور اب وہ واقعات کی رفتار کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

ترکی جرائد کا عام رجحان یہ ہے کہ قیاس آرائی سے اجتناب کیا جائے۔ جن سمندری مورچوں پر ابتدا میں متحدین کی فوجیں اتریں ان پر ترکی فوجی حلقوں میں حیرت کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ آج تمام ترکی فوجی حلقے اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے بہتر مقام کا انتخاب ممکن نہ تھا۔ ترکی جرائد اپنے اس ایقان کا اظہار کر رہے ہیں کہ لڑائی بہت سخت ہوگی۔ سارے جرائد حیرت انگیز تنظیم اور جنگی تفصیلی منصوبہ بندی پر خراج تحسین ادا کر رہے ہیں لیکن کوئی شخص یہ کہنے تیار نہیں کہ جنگ آئندہ کیا صورت اختیار کرسکتی۔

بہرحال ترکی جرائد اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ دوسرا محاذ جنگ کے انجام کا آغاز ہے۔ انقرہ کے نیم سرکاری اخبار اولوس میں فتح رفقی عطائی لکھتے ہیں کہ اگر متحدین اس علاقہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھیں جو نارمنڈی میں انھوں نے حاصل کیا ہے اور اگر جرمن ان کو پیچھے ڈھکیلنے میں ناکام رہیں تو دیکھنا چاہئے کہ جرمنوں نے جنگ ہار دی۔ وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ جنگ اس سال موسم سرما سے پہلے ختم ہوجائے گی۔

ترکی میں عام ردعمل یہی ہے۔

اطالوی محاذ

ترکی کے لئے فوری اور زیادہ اہمیت اطالوی محاذ کو حاصل ہے۔ سقوط روما کی خبر ترکی کے لئے خاص اہمیت رکھتی تھی۔ دوران جنگ میں غیر جانبداری سے خبروں کی اشاعت کے اصول کو ترک کرکے اخبار اولوس نے ایک انچ کے جلی اور سرخ حروف میں یہ خبر شائع کی۔

اور جب دوسرا محاذ قائم ہوا تو اس اخبار نے اس خبر پورے صفحہ کی سرخی دی۔ لیکن ترکی کو اٹلی میں متحدین کے اقدام سے زیادہ دلچسپی ہے۔ اٹلی میں جرمن شکست کے انتشار سے ترکوں کو یقین ہے کہ جرمنی کے پاس محفوظ فوج نہیں ہے۔

اطلاعیں شائع ہوئی ہیں کہ رومانیہ اور جنوبی پولینڈ کی سرحدوں پر بڑے پیمانے پر فوجوں کا اجتماع عمل میں آیا ہے لیکن روسی فوج میں لڑنے کی قوت ابھی اسی طرح باقی ہے۔ فن لینڈ کے شمال میں جو نیا محاذ قائم کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ روس اس سال بھی اتنا ہی قوی ہے جتنا گزشتہ سال تھا۔ اس لئے یہ توقع کی جارہی ہے کہ بلقان پر اتحادیوں کے حملہ کے ساتھ روس بھی بڑے پیمانہ پر حملہ کرے گا۔ بلقان میں جرمنوں کی پریشانی کے علامات ظاہر ہونے لگے ہیں۔

غیر جانبداری۔ جرمنوں کی پریشانی کی اطلاع پہلے پہل بلغاریہ سے وصول ہوئی۔ [illegible] حکومت جرمنی کے مطالبات کی تعمیل کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ جرمنی نے بحر اسود سے جہازوں کو لانے کی کوشش کی۔ اس معاملہ سے ترکی کو براہ راست تعلق تھا کیونکہ بعض جہاز درہ دانیال سے گزر رہے تھے۔ میثاق مانٹرو میں اگرچہ تعبیر کی گنجائش ضرور ہے لیکن ترکی نے اعلان کردیا ہے کہ وہ برطانیہ کا دوست ہے۔ ان جہازوں کو درہ دانیال سے گزرنا نہیں چاہئے تھا۔ سفیر برطانیہ متعینہ ترکی کے احتجاج نے اس معاملہ کو سلجھا دیا اور جرمنی کو دوسرے جہاز لے جانے سے روک دیا گیا۔ ان میں سے ایک باسفورس میں روک لیا گیا ہے۔ یہ دیکھا جارہا ہے کہ متحدین کے ساحلی جنگ سے ترکی پر کسی نہ کسی طرح اثر پڑتا ہے۔ اسی لئے بین الاقوامی حالات سے ترکی کا دلچسپی لینا ایک فطری بات ہے۔

بلقان میں محوری مواصلات پر متحدین کی بمباری نے جرمنوں کی سخت تشویش کو متاثر کیا اور تجارتی گفت و شنید جس کا بہت [illegible] تھا ختم ہوگئی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ترکی اور جرمنی [illegible] معاہدہ [illegible] تک ایک سال کی توسیع دی گئی ہے اور ہر فریق کو یہ حق ہے کہ تین مہینے کی نوٹس دے کر معاہدہ ختم کر دے۔ لیکن پہلے ایک فہرست تیار کی جائے گی جس میں اس سامان کی مقدار بتائی جائے گی جو جرمنی ترکی کو روانہ کرے گا اور ترکی جرمنی کو۔

تجارتی معاہدہ

اس سال کے آغاز میں جرمنی کو توقع تھی کہ وہ تجارتی گفت و شنید کے لئے ڈاکٹر کلوڈیس کو ترکی روانہ کرے گا۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے متحدین نے دشمن سے تجارت کے مسائل پر اپنے نقطہ نظر کو سخت کر دیا۔ ترکی سے کہا گیا کہ ایک مبصر ڈاکٹر کلوڈیس کے ساتھ گفت و شنید کر کے دشمن کو کبھی مدد مل سکتی۔ ترکی نے ڈاکٹر کلوڈیس سے گفتگو کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ جرمنی کے مشیر تجارت متعینہ انقرہ نے گفت و شنید کی اگرچہ گفتگو [illegible]

مملکت ہفتہ وار

جلد ۲ | ۳۰ ستمبر ۱۹۴۴ء | نمبر ۱۷

گاندھی جی سے ہماری توقع

اس خبر کی اشاعت کے بعد کہ ماہ اگست کے وسط میں گاندھی جی اور مسٹر جناح ہندو مسلم مفاہمت کے مسئلہ پر گفتگو کریں گے ہندوستان کے سیاسی مطلع پر کئی سال کے بعد امید کی ایک کرن نظر آنے لگی ہے۔ ہر ہندوستانی کی یہی تمنا ہو سکتی ہے کہ یہ گفتگو ایک مستقل مفید اور باعزت سمجھوتہ کا پیش خیمہ ثابت ہو تاکہ ہندوستان اغیار کی غلامی سے آزاد ہو سکے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسٹر راجگوپال چاری کا پیش کش موجودہ حالات کے مد نظر امید افزا ہے۔ ممکن ہے کہ مسٹر جناح جب اس پیش کش کی تفصیلات پر غور کریں تو انہیں ایسی باتیں نظر آئیں جو محتاج اصلاح و ترمیم ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ راجہ جی اور گاندھی جی موجودہ تعطل کو دور کرنے کے لئے ایک نہیں بلکہ چند قدم آگے بڑھ چکے ہیں۔ راولپنڈی میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے بھی اعلان کیا ہے کہ ہندو مسلم مفاہمت سے زیادہ عزیز انہیں کوئی چیز نہیں۔ اس طرح یہ گفتگو خلوص اور اشتیاق مفاہمت کے ماحول میں شروع ہو رہی ہے۔

دارالامرا اور دارالعوام کے مباحث خاص کر حکومت برطانیہ کے نمائندوں کی تقاریر سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حکومت برطانیہ موجودہ تعطل کو رفع کرنے کے لئے کچھ زیادہ بیتاب نہیں ہے۔ وہ برطانوی مفادات کے لئے موجودہ تعطل اور ہندو مسلم اختلافات کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرنے کی خواہش اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں چاہتے کہ گاندھی جناح مفاہمت کامیاب ہو۔ اگر مفاہمت ہو بھی گئی تو اندیشہ ہے کہ رجعت پسند عناصر اور سکھ اس سمجھوتہ کے خلاف احتجاج شروع کر دیں۔ چنانچہ مہاسبھا نے ابھی سے ایسی مہم شروع کر دی ہے۔ پارلیمانی مباحث اور برطانوی جرائد کے تبصروں کا غائر نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات صاف طور پر مترشح ہوتی ہے کہ راجہ جی اور گاندھی جی نے ایک جانب مسٹر جناح کو اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ مسٹر جناح خواہ ان کے مخالفین کچھ بھی کہیں ایک بے لوث اور زبردست محب وطن ہیں۔ اس لئے انہوں نے پیش کش پر گفتگو کرنے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ برطانوی مدبرین سے یہ توقع رکھنا کہ وہ بھی ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کے ساتھ انصاف کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے ایک زیادتی ہے چنانچہ اس پیش کش کے جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ صرف یہ ہے کہ کرپس کی پیش کش اپنی جگہ قائم ہے۔ بعض حلقوں کی جانب سے بالواسطہ طور پر یہ بیان کیا گیا کہ گاندھی جی کا پیش کش مسلمانوں کی طمانیت کے لئے ناکافی ہے اور بعض حلقوں کی جانب سے کہا گیا کہ ہندوستان کی وحدت کو متاثر کرنا ہندوستان کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ اور یہ اعلان کیا گیا کہ ہندوستان کی سب سے بڑی خدمت یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی معاشی ترقی کے منصوبوں کو روبہ عمل لایا جائے۔ اس طرح ایک جانب ٹاٹا برلا پلان کو سراہا گیا اور دوسری جانب یہ بھی کہا گیا کہ اس پلان میں ہندوستان کے مزدوروں کی دائمی غلامی مضمر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بیجا نہ ہوگا کہ برطانیہ کے ارباب مقتدر عظیم تر مسائل میں اس درجہ الجھے ہوئے ہیں کہ ہندوستان کے مستقبل کا مسئلہ ان کے نزدیک فی الوقت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ دارالعوام میں ٹال مٹول کی پالیسی بڑی کامیابی کے ساتھ عمل کیا گیا۔

مذکورہ بالا واقعہ مسٹر جناح اور گاندھی جی کی ذمہ داریوں کو اور بھی سنگین کر دیتا ہے۔ ان دو مدبروں سے زیادہ کوئی اور شخص اس حقیقت سے ناواقف نہیں ہو سکتا کہ برطانوی مفادات ان کے باہمی سمجھوتہ سے فطری طور پر متضرر ہوں گے اور ان کی یہ کوشش ہوگی کہ پھوٹ اور انتشار قائم رہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلی ضرورت باہمی اتحاد و اتفاق ہے اور دوسری ضرورت یہ ہے کہ متمدن دنیا کے موجودہ موافق رجحان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ حالیہ جنگ نے دنیا کو ہندوستان کی طرف متوجہ کیا ورنہ ہندوستان ہمیشہ پس منظر میں رہتا تھا۔ اب جبکہ اتحادیوں کی فتح کے آثار فضا میں دکھائی دے رہے ہیں اور ضروریات جنگ کے تحت ارباب برطانیہ نے بعض نیک عزائم کا اظہار کیا ہے اس لئے ہندوستان کو چاہئے کہ صورت حال سے صحیح طور پر استفادہ کرے۔ اختتام جنگ کے چند سال بعد جبکہ برطانیہ اپنی اقتصادی پریشانی میں مبتلا ہوگا ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ پھر سپرد طاق نسیان ہو جائے گا۔ اس وقت سوال یہ نہ ہوگا کہ ہندوستان آزاد رہے یا محکوم بلکہ سوال یہ ہوگا کہ اس کی محکومی سے امریکہ زیادہ متمتع ہو یا برطانیہ۔ یہ ہے وہ حقیقت جس کو ذہن نشین رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہندوستان کی رائے عامہ بھی اپنے قائدین پر صحیح قسم کا دباؤ ڈال سکے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے ہمیں اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ مسٹر جناح حریت پسند بھی ہیں اور محب وطن بھی مگر ہمیں ڈر ہے تو صرف ان کی نازک مزاجی سے۔ اس کے برخلاف گاندھی جی کے متعلق اس شبہ کی گنجائش ہے کہ آیا وہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ مساوات کا درجہ دینا پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ مسٹر راجگوپال چاری کی ایک حالیہ تقریر سے جو مدراس میں کی گئی تھی یہ امید بندھتی ہے کہ مسٹر راجگوپال چاری اور گاندھی جی نے مسلمانوں کے ساتھ نہایت وسعت نظر اور فراخ دلی سے سمجھوتہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مسٹر راجگوپال چاری نے اس تقریر میں کہا کہ اگر ان کا فارمولا ارباب برطانیہ کو پسند نہیں ہے تو وہ خود کوئی ایسا فارمولا پیش کریں جو ہندو مسلم گتھی کو سلجھا سکتا ہے۔ اگر ایسا کوئی فارمولا ارباب برطانیہ مسلمانوں کے مفاد میں پیش کریں نہ کہ برطانوی مفاد میں تو اس کو نہ صرف وہ خود قبول کریں گے بلکہ گاندھی جی سے بھی قبول کرائیں گے۔ مسٹر راجگوپال چاری کی تقریر کا یہ جزو نہایت اہم اور امید افزا ہے۔

بات یہ ہے کہ آزادی کا حصول ہندوستانیوں کا فرض اور انہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ توقع رکھنا کہ بعد ختم جنگ ہندوستان کو آزادی دی جائے ایک دل خوش کن خیال ہے۔ ہندوستان سے باہر ہندوستان سے متعلق سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ معاشی استحصال کے مواقع کس کو حاصل رہیں، امریکہ کو یا برطانیہ کو۔ چنانچہ یہ رقابت شروع ہو چکی ہے اور دارالعوام کی بعض دلچسپ بحثوں سے جو تقریریں کی ہیں ان میں اس کی جھلک صاف طور پر نظر آتی ہے۔

یہاں ہم ایک بات واضح کر دینا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہندو مسلم مفاہمت کے مسئلہ میں ہندی ریاستوں کا نقطۂ نظر بدرجہ مجبوری اور بخلاف ... رہنا چاہئے۔ یہ بات کہنے کی اس لئے ضرورت واقع ہوئی کہ گزشتہ ہفتہ مدراس میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر راجگوپال چاری نے نظام کے بیان پر اعتراض کیا جس میں انہوں نے پاکستان کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ ہمیں علم نہیں کہ کس گوشے سے ایسی صدا بلند ہوئی تھی لیکن یہ بات بالکل صاف ہے کہ اگر ریاستوں پر الزام عائد ہو کہ انہوں نے ہندو مسلم مفاہمت کی راہ کو مسدود کیا تو ہندوستان کی رائے عامہ انہیں کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ ہمیں امید ہے کہ کسی ریاست کے دیوان یا کسی ریاست کی حکومت کی جانب سے ایسی غلطی کی تکرار نہ ہوگی۔

جس کے خلاف راجہ جی نے جنگ کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

راجہ جی نے پیش کش یا ہندو مسلم مفاہمت کی کسی ہر تجویز پر اظہار رائے فی الوقت ہم نامناسب سمجھتے ہیں۔ البتہ گاندھی جی سے ضرور یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا مسلمان بھی آزادی کا حصہ دار ہے۔ وہ ہندوستان میں اپنے اپنے وطن میں باعزت اور خوشحال زندگی کی تلاش کر رہا ہے اس کی یہ کوشش ہے کہ اس کے افلاس یا اس کی مذہبی اقلیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کو آزادی کے ثمرات سے محروم نہ کیا جائے۔ یہی خواہش اور کوشش نظریہ پاکستان کی جان ہے۔ اگر گاندھی جی کو اس خواہش سے مخلصانہ ہمدردی پیدا ہو جائے تو مفاہمت کا راستہ صاف ہے۔

اُردو اصطلاحات کی اشاعت کا مطالبہ

ارباب جامعہ توجہ فرمائیں

کل ہند اُردو کانگریس منعقدہ حیدرآباد میں ایک اہم قرارداد منظور کی گئی کہ

"دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں اب تک جتنی اصطلاحات وضع ہوئی ہیں اُن کو جلد سے جلد شائع کیا جائے تاکہ اُردو زبان کی زیادہ سے زیادہ خدمت ہو سکے۔"

کاش ارباب جامعہ اس متفقہ مطالبے پر فوری توجہ کر کے کوئی عملی قدم اٹھاتے جو دو سال پہلے مقامی صحافت نے مسٹر جانکی پرشاد کی ایک نشری تقریر کی اشاعت کے بعد کیا تھا۔ جامعہ عثمانیہ میں اُردو زبان کے لئے علمی اصطلاحوں کے وضع کرنے کا جو کام ہو رہا ہے اس کی دلچسپ علمی تفصیلات صاحب موصوف نے پیش کی تھیں اور یہ بتایا تھا کہ یہ کام بجائے خود کتنا عظیم الشان اور اس سے کتنے خوشگوار نتائج حاصل ہوتے رہے۔

اصطلاحات کی اشاعت کے لئے دو سال پہلے جو مطالبہ مقامی صحافت کی طرف سے کیا گیا وہ صدا بصحرا ثابت ہوا۔ جو شدید اصطلاحات کی فوری اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ کل ہند اُردو کانگریس کی جانب سے بھی اس وقت مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

توقع ہے کہ نواب علی یاور جنگ بہادر اور مولوی سید محمد اعظم صاحب کی توجہ سے یہ اہم علمی اداروں کی ایک دیرینہ تمنا بر آئے گی۔

ارباب جامعہ کے غور و خوض میں سہولت بہم پہنچانے کے لئے ہم یہاں بعض اُن اہم مباحث کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو دو سال پہلے مقامی جرائد میں سیر حاصل طور پر ہو چکے ہیں۔

مسٹر جانکی پرشاد کی معلومات آفریں نشری تقریر "حکمت" مورخہ ۸ امرداد ۱۳۵۱ف میں شائع ہوئی تھی۔ مقامی صحافت خاص کر صاحب پیام سلطنت اور صبح دکن کے علاوہ حکمت نے بھی یکے بعد دیگرے اس کے مطالب کو زیر مقدم کیا تھا۔ اس سلسلے میں جو احساسات مقامی جرائد میں ظاہر ہوئے تھے وہ صرف مقامی صحافت ہی کے نہیں بلکہ اُردو زبان کے کل حامیوں کے تھے۔

مسٹر جانکی پرشاد کی نشری تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ ہمیں پہلی بار یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ مجلس وضع اصطلاحات نے اب تک پچپن ہزار اصطلاحات وضع کی ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہمیں افسوس بھی ہوا کہ اصطلاحات کے اس بیش بہا ذخیرے کو جس پر جامعہ عثمانیہ بالخصوص اور حیدرآباد بالعموم بجا طور پر فخر کر سکتا ہے منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ عام پبلک تو درکنار تعلیم یافتہ طبقہ بھی ان اصطلاحات کے وجود سے لاعلم ہے۔ علمی اصطلاحات کو خواہ وہ کتنی ہی ثقیل اور غیر مانوس ہوں رائج کرنے کا گر یہ ہے کہ اُن کو تقریر و تحریر میں بار بار استعمال کیا جائے اور اس طرح اُن کو زبان و ادب کا جزو بنایا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمیں ڈر ہے کہ ان اصطلاحات کی افادیت جامعہ عثمانیہ کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ جائے گی۔

جہاں اس امر پر طمانیت ظاہر کی تھی کہ حکومت سرکار عالی کا یہ ایک قابل یادگار کارنامہ ہے کہ اس نے کمیٹی متعددین کی پیش کردہ تجاویز کے مطابق ایک گشتی نافذ کی جس کی رو سے جملہ محکموں پر یہ لازم آتا ہے کہ سرکاری دفاتر میں اردو کو رواج دیا جائے اور انگریزی کے غیر ضروری استعمال کو ترک کیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم نے حکومت کو متوجہ کیا تھا کہ جن فنی دفاتر کو انگریزی استعمال کرنے کی اجازت دی گئی اور اردو کے استعمال سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ یہ کس حد تک مناسب اور ضروری ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس گشتی کو مرتب کرتے وقت حکومت سرکار عالی کی توجہ اس امر کی جانب مبذول نہ کرائی گئی کہ ان تمام فنون کے اصطلاحات جامعہ عثمانیہ میں وضع ہو چکی ہیں۔ اگر ان فنون کی اصطلاحیں اردو میں موجود نہ ہوتیں تو سرکاری دفاتر میں فنی کام انگریزی میں انجام دینا ضروری ہوتا۔ جامعہ عثمانیہ کے علوم و فنون کی وہ ہزارہا نادر اصطلاحیں وضع کی گئی ہیں۔ حیاتیات، طبیعیات، ریاضیات، نباتیات، کیمیا، حیوانیات، طب، انجینیری اور دوسرے جدید فنون کے مختلف شعبوں پر متعدد کتابیں اردو میں ترجمہ یا تالیف ہو چکی ہیں۔ جن فنی محکموں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اُن کا ان ہی فنون سے سابقہ پڑتا ہے۔ اگر ان فنون کی اصطلاحوں کو ترتیب سے آشنا کر کے شائع کر دیا جائے تو فنی محکموں میں کام کرنے والوں کو اردو میں کام کرنا دشوار نہ ہوگا۔ ضرورت اس کی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی جانب سے یہ پچپن ہزار اصطلاحیں فوراً شائع کر دی جائیں تاکہ نہ صرف دفاتر میں کام کرنے والے بلکہ عام پبلک بھی ان اصطلاحات سے استفادہ کر سکے۔

اصطلاحات کے استفادے کے ذکر سے ہماری یاد اس پہلے مجموعۂ اصطلاحات کے متعلق تازہ ہو گئی جو آج سے انیس سال پہلے شائع ہوا تھا جس کا ایک نسخہ بھی اب بازار میں دستیاب نہیں ہوتا۔ مجلس وضع اصطلاحات کے آغاز سے ۱۳۳۲ف تک جو اصطلاحیں وضع ہوئیں یا تغییر مجلس کی روداد میں درج تھیں مسٹر جانکی پرشاد نے جو اس زمانے میں دارالترجمہ میں کارگزار تھے اپنے ذاتی ذوق سے اُن اصطلاحات کو مجلس کی روداد سے لے کر ابجدی ترتیب میں مرتب کیا تھا۔ ہر انگریزی اصطلاح کے سامنے اس کی مرادف اُردو اصطلاح لکھ دی گئی تھی اور جہاں ضروری ہے اس اصطلاح کو جس تعلق سے وہ وضع کی گئی بیان کر دیا گیا تھا۔ اصطلاحات کا یہ پہلا مجموعہ ۱۳۳۵ف میں دارالترجمہ کی جانب سے مجموعہ اصطلاحات کے نام سے شائع ہوا تھا لیکن یہ بہت افسوسناک حقیقت ہے کہ اس کے بعد کی اصطلاحیں وضع ہوئیں وہ اب تک کتاب کی صورت میں شائع نہیں ہوئیں۔

جہاں تک ہمیں علم ہے کہ اصطلاحی ذخیرے کے علاوہ دارالترجمہ میں ایک جامع لغت "قانونی" کی دو جلدیں بھی مسودے کی حالت میں طباعت و اشاعت کے قابل موجود ہیں۔ مجلس وضع اصطلاحات شعبۂ قانون کی نگرانی میں مولوی مسعود علی صاحب محوی نے بڑی قابلیت و جانفشانی سے اس لغت کی تالیف مکمل کی ہے۔ حسب تحریک [illegible] صدر مجلس اعلیٰ جامعہ عثمانیہ تالیف میں مدد دینے کے علاوہ اس کی ترتیب اور تصحیح کا کام مسٹر جانکی پرشاد کے تفویض رہا ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی موضوعہ [illegible] اور نیز جامع قانونی ڈکشنری کی اشاعت فوراً عمل میں لائی جائے۔ اور ترتیب تصحیح وغیرہ کا کام کسی ایسے موزوں شخص کے تفویض کیا جائے جنہیں اس کام سے شغف اور اس کا وسیع تجربہ ہو۔ ہمارے خیال میں اس کام کے لئے مسٹر جانکی پرشاد بہت موزوں ہوں گے۔

حیدرآباد میں دستوری اصلاحات کی ترقی

گزشتہ پانچ سال کے دوران میں اصلاحات کا تدریجی نفاذ

جولائی ۱۹۳۹ء میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے لئے دستوری اصلاحات کی تجاویز کا اعلان کیا گیا۔ یہ تجاویز حکومت ایک ایسی کمیٹی کی سفارشات پر مبنی ہے جس کی اکثریت غیر سرکاری اراکین پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی کے تقرر کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے مختلف اغراض اور حکومت کے مابین زیادہ موثر اشتراک عمل کے ایسے متبادل طریقوں کی تحقیق کی جائے اور ان کے متعلق سفارشات پیش کی جائیں جو ریاست کے حالات اور ضروریات کے مدنظر موزوں اور قابل عمل ہوں اور جن سے حکومت رعایا کی ضروریات اور جذبات سے ہمیشہ واقف رہ سکے۔

گزشتہ پانچ سال کے دوران میں نہ صرف اصلاحات کے نفاذ سے متعلق بکثرت ابتدائی لوازمات کی تکمیل کی گئی بلکہ دستوری اسکیم کا کافی حصہ نافذ بھی کردیا گیا چنانچہ نفاذ اصلاحات کے ضمن میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ تین سال کے قبل ضلع واری کانفرنسوں کے سالانہ انعقاد کی تجویز روبہ عمل لائی گئی اور یہ کانفرنسیں مقامی ضروریات کے اظہار کے لئے ایک مفید ادارہ ثابت ہوئیں۔ اس کے بعد آئینی مشاورتی مجالس کا قیام عمل میں آیا جو اس دستور کا ایک اہم جزو ہیں۔

دستوری اصلاحات کی اسکیم کو بہ تدریج نافذ کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس دستور کے ہر جزو سے متعلق بہت کافی ابتدائی کام انجام دینا ہے چنانچہ اس اسکیم کے باقی ماندہ حصوں کو عجلت نافذ کرنے کے لئے ایک جداگانہ معتمدی بھی قائم کردی گئی ہے۔

۹۔ رجب المرجب ۱۳۵۶ھ م ۲۲ ستمبر ۱۹۳۷ء کو اعلیٰ حضرت بندگان عالی نے ایک فرمان مبارک صادر فرمایا جس میں یہ حکم شرف صدور لایا کہ دیوان بہادر ایس۔ آر۔ آروامودو آئنگار کے زیر صدارت ایک کمیٹی قائم کی جائے جس میں غیر سرکاری اراکین کی اکثریت ہو۔ اس کمیٹی نے یکم اگست ۱۹۳۸ء کو اپنی رپورٹ پیش کی اور جریدہ غیر معمولی مورخہ ۱۷ شہریور ۱۳۴۸ف م ۱۹ جولائی ۱۹۳۹ء میں یہ سفارشات حکومت کی تجاویز کے ساتھ شائع کی گئیں۔

دستور حکومت کا اساسی تصور

کمیٹی اصلاحات نے مملکت آصفیہ کے دستور کو متعلق جو بنیادی تصور پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ مملکت کو صدر اپنی ذات میں عوام کی بلا واسطہ نیابت کرتا ہے اور اس کا تعلق عوام کے ساتھ نمائندہ جماعتوں کے اراکین کے تعلق کی بہ نسبت زیادہ فطری زیادہ مستقل اور زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ یعنی وہ مملکت کا صدر بھی ہوتا ہے اور عوام کے اقتدار اعلیٰ کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے نظام سیاسی میں صدر مملکت ایک طرف تو قانون سازی کے دائرے میں توثیق اور امتناع کے اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور دوسری طرف عاملانہ حکومت کے دائرے میں کابینہ کی تخلیق اور تنسیخ کا مخصوص اختیار بھی اس کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اقتدار اعلیٰ دستور کی بنیاد ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے۔ کمیٹی نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ سلطنت کے داخلی اور خارجی استحکام کے لئے حکومت کے ساتھ مختلف اغراض و مفادات کے موثر اشتراک عمل کا نفاذ ضروری ہے۔ البتہ قدیم دستوری اور سماجی بنیادوں پر قائم رکھ کر ہی ایسے اشتراک عمل کا حصول مفید ہو سکتا ہے۔

اہم ترین تجویز

کمیٹی اصلاحات کی پیش کردہ اور حکومت کی منظور کردہ تجاویز میں غالباً سب سے زیادہ جاذب توجہ تجویز یہی ہے کہ طریق انتخاب مشترک ہو اور انتخاب کی بنیاد علاقہ واری نہیں بلکہ مفاداتی ہو۔ برطانوی ہند اور دوسری ہندوستانی ریاستوں میں نمائندگی کے جو عام طریقے رائج ہیں ان سے یہ تجویز بالکل مختلف ہے۔ بارگاہ خسروی میں باب حکومت نے جو عرضداشت پیش کی تھی اس میں اس تجویز کے مطابق حسب ذیل خیال ظاہر کیا۔

- اولاً یہ کہ سیاسی دستوریت اگر علاقہ واری نمائندگی پر مبنی ہو تو وہ مملکت کے معاشی مفادات کی ایسی حقیقی نیابت نہیں کر سکتی جیسی کہ وہ نمائندگی جو خود ان مفادات ہی کی بنیاد پر قائم ہو۔ دوسرے یہ کہ معاشی بنیادوں پر زیادہ زور دینے سے نہ صرف قانون سازی بلکہ سیاسیات میں بھی حقائق سے زیادہ مناسبت پیدا ہو سکے گی۔ تیسرے یہ کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں، زبانیں اور مذاہب پائے جاتے ہیں سیاسی مفادات کی بنیاد دینی نسل، زبان اور مذہب کی ان گروہ سے کبھی نہ کبھی متجاوز ہو سکتی ہے جن پر اس قدر غیر متوازن زور دیا جاتا ہے۔

نمایاں خصوصیات

دستوری اصلاحات کی اسکیم کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ۲۰ اراکین پر مشتمل موجودہ مجلس وضع قوانین کے بجائے ایک مجلس مقننہ کا قیام جس میں اراکین بجا لاعہدہ کے علاوہ ۸۵ اراکین ہوں گے۔ جن میں سے ۴۲ اراکین منتخب کردہ ہوں گے۔ نامزد کردہ اراکین کی تعداد ۲۸ ہوگی جن میں سے نصف غیر سرکاری ہوں گے۔ اس مجلس کے دائرہ اختیار میں جو امور ہوں گے ان کی صراحت مختص کردی جائے گی۔

۲۔ آئینی مشاورتی مجالس کا قیام۔ یہ مجالس مالیات، زرعی ترقی، صنعتی ترقی، تعلیمات، صحت عامہ، ہندوؤں کے مذہبی اوقاف، مسلمانوں کے مذہبی اوقاف، مذہبی امور اور اعمال سے متعلق ہوں گی۔ آئینی مشاورتی مجالس قائم کی جا چکی ہیں اور ان کے سرکاری اور غیر سرکاری اراکین کی تعداد مساوی رکھی گئی ہے۔

۳۔ ممالک محروسہ کے تمام اضلاع میں سالانہ ضلع واری کانفرنسوں کا انعقاد۔ ان کانفرنسوں کے منعقد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مقامی اہمیت کے مسائل پیش کئے جائیں اور ان پر ضروری مباحثہ ہو سکے۔

۴۔ (الف) ممالک محروسہ کے تمام اضلاع میں ۲۵ اراکین پر مشتمل مجالس ضلع کا قیام

(ب) ۱۰۰۰۰ سے زیادہ آبادی والے ۲۹ مقامات میں ۲۲ اراکین پر مشتمل مجالس بلدیہ کا قیام۔

(ج) ۵۰۰۰ تا ۱۵۰۰۰ آبادی والے ۱۹۲ قصبات میں ۱۱ اراکین پر مشتمل مجالس تامہ کا قیام۔

(د) فوجی رجمنٹوں میں مجالس چھاؤنیات کا قیام۔ اول درجہ کی چھاؤنی کی مجلس میں ۱۷ اور دوم درجہ کی چھاؤنی کی مجلس میں ۱۰ اراکین ہوں گے اور ان میں منتخب کردہ اور نامزد کردہ اراکین کا تناسب ۵:۳ ہوگا۔

(ر) ۵۰۰ تا ۲۵۰۰ آبادی والے ... مواضعات میں دیہی پنچایتوں کا قیام جو ۵ تا ۱۱ اراکین پر مشتمل ہوں گی۔ مقامی حکومتی اداروں کو جو اختیارات حاصل ہوں گے وہ برطانوی ہند کے ملحقہ صوبوں اور بعض ترقی یافتہ ریاستوں میں اس قسم کے اداروں کے اختیارات کے مماثل ہیں۔

نفاذ اصلاحات سے متعلق کام

دستوری اصلاحات کے منتخب اجزا کو نافذ کرنے کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کیا گیا ہے جس کے مطابق حسب ذیل قوانین نافذ کئے گئے ہیں:-

۱۔ آئین دیہی پنچایت
۲۔ آئین چھاؤنیات
۳۔ آئین قرضہ جات عہدہ داران مقامی
۴۔ آئین مجالس اضلاع
۵۔ آئین بلدیات و مجالس قصبات
۶۔ آئین احتیاطات حفظان صحت
۷۔ قواعد آئینی مشاورتی مجالس اور
۸۔ قواعد ضلع کانفرنس

ان کے علاوہ حسب ذیل قوانین زیر غور ہیں اور ان کی تفصیلات کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ (بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

کانگریس لیگ اتحاد کے خلاف مہاسبھائی اخبارات کا پروپگنڈہ

ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کی بنگال میں وزارت ... [illegible]

... پنجاب میں خصوصاً ... کانگریس لیگ ... [illegible]

یہ مخالفت روز بروز بڑھ رہی ہے ... [illegible]

... پاکستان ... مسٹر جناح ... [illegible]

اسی خیال کو ٹریبون نے ۲۳ جولائی کی اشاعت میں ظاہر کیا تھا۔ ... [illegible]

ہر ولی خاص اثر ہو گا چنانچہ انھوں نے پنجاب کے اخبارات پر اپنے اثرات سے ... اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ... قومی مفاد کے منافی سمجھتا ہے۔

اس سلسلہ میں ... ایک خاص جلسہ طلب کیا گیا ... ہندو اخبارات کے مالک ... ٹریبون کے مالک شریک ہوئے ... [illegible]

انھوں نے کہا کہ اس تجویز کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا ... [illegible]

۱۔ پاکستان کی مخالفت کرتے ہوئے اس تجویز کو رد کیا جائے ... [illegible]

۲۔ اس فارمولے کی مخالفت ... [illegible]

۳۔ کانگریس کو ایک قومی جماعت ہونے کی حیثیت سے ... [illegible]

۴۔ اس فارمولے کا ... پنجاب ... [illegible]

۵۔ ... [illegible]

۶۔ اس بات ... پاکستان ... [illegible]

... انگریزی سامراج کے شیوہ تھا۔ پنجاب کے اخبارات کے شہرت ... ان ہدایات پر ... تمام ہندو اخبارات ... [illegible] ... ہے کہ کسی طرح کانگریس اور لیگ میں سمجھوتہ نہ ہونے دیا جائے۔

حیدرآباد میں دستوری اصلاحات کی ترقی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۴)

۱۔ آئین مجلس مقننہ۔
۲۔ ضوابط مجلس مقننہ۔
۳۔ متعلق احکامات مجلس مقننہ۔
۴۔ قواعد انتخاب مجلس مقننہ۔
۵۔ آئین مجلس بلدیہ حیدرآباد۔
۶۔ قانون متعلق ... [illegible]

مذکورہ بالا قوانین میں سے آئین مجلس مقننہ ... [illegible]

... [illegible]

حق رائے دہی

... [illegible]

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

برطانوی مزدور پارٹی کے ترجمان مسٹر پتھک لارنس نے دارالعوام میں مسئلہ ہند پر تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے ساتھ اپنی دوستی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ:-

"بہت سے حلقوں میں دوستی اور خیر سگالی کی علامتیں نظر آرہی ہیں۔ اگر ان سے صحیح طور پر استفادہ کیا جائے تو اس دشوار مسئلہ کا حل دریافت ہو سکتا ہے۔"

جی ہاں! دوستی!

ع - ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو!

ہندوستان سے متعلق حالیہ پارلیمانی تقاریر کا اگر کوئی تجزیہ کرنے بیٹھے تو حسب ذیل نکات مستخرج ہو سکے گا:-

(۱) کانگریسی قائدین کی رہائی سے ایک خوش آئند تصفیہ میں مدد ملے گی۔

(۲) کسی باعزت اور قابل عمل تصفیہ سے قبل کانگریسی قائدین کی رہائی مناسب نہیں۔

(۳) خوشی کی بات ہے کہ مسٹر گاندھی نے بالآخر تقسیم ہند کے اصول کو تسلیم کر لیا۔

(۴) برطانیہ نے ہندوستان کی سب سے بڑی خدمت یہ کی کہ اس کو ایک سیاسی وحدت کی حیثیت بخشی۔ ہندوستان کو اس نعمت سے محروم کرنا اس کے باشندوں پر ظلم ہے۔

(۵) مسٹر گاندھی نے برطانیہ کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔

(۶) مسٹر گاندھی وہیں ہیں جہاں وہ ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو تھے۔

(۷) مسٹر [illegible] کرپس کی پیش کش اپنی جگہ قائم و برقرار ہے۔

(۸) سیاسی آزادی سے زیادہ ہندوستان کو معاشی فلاح و ترقی کی ضرورت ہے۔ اگر برطانیہ ہندوستان کی معاشی ترقی میں مدد کرے گا تو اندیشہ ہے کہ امریکہ کو یہ سعادت حاصل ہو جائے گی۔

(۹) مسٹر گاندھی کے حالیہ بیانات امید افزا ہیں۔

(۱۰) مسٹر گاندھی کے بیانات [illegible] مفاہمت کا نقطہ آغاز بھی نہیں قرار پا سکتے۔

(۱۱) برلا ٹاٹا کی تجاویز ایک نیک شگون ہیں۔

(۱۲) اگر ان تجاویز کو روبعمل لایا جائے تو ہندوستانی مزدوروں کو ہندوستان کے سرمایہ دار پیس ڈالیں گے۔

سچ کہا تھا اقبال مرحوم نے

سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

ہمارے دوست مسٹر پی آر چاری مدیر "دکن کرانیکل" راجہ جی سے بہت خفا ہیں کہ انھوں نے ایسا پیش کش کیوں دیا جو ہندو مسلم مفاہمت کا نقطہ آغاز بن سکتا ہے۔ مسٹر چاری صرف راجہ جی سے نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدراس کے ہر شخص سے خفا ہیں۔ چنانچہ انھوں نے تین ممتاز مدراسیوں کے نام لکھ ڈالے جو جامعہ عثمانیہ کے مہمان کی حیثیت سے یہاں تشریف لا چکے ہیں۔ ایک جناب سر سی آر ریڈی وائس چانسلر آندھرا یونیورسٹی، دوسرے ہیں سر سی پی راماسوامی آئیر دیوان ٹراونکور، اور تیسرے ہیں راجہ جی۔ ان تینوں حضرات سے مسٹر چاری محض اس لئے خفا ہیں کہ جامعہ عثمانیہ کا بنیادی تصور، اس کا طریقہ تعلیم، اس کے علمی نتائج، اور اس کی عمارتیں انہیں کیوں پسند آئیں۔ یہ تھا ان حضرات کا گناہ جس کی پاداش میں مدیر "دکن کرانیکل" نے انہیں اپنے صحافتی عتاب کا مورد بنایا ہے۔

کیا ہم دریافت کر سکتے ہیں کہ خود مسٹر پی آر چاری کا وطن مالوف کونسا ہے؟

سردار اورنگ زیب خاں وزیر اعظم صوبہ سرحد نے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

"مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کانگریس کی نیک نیتی کو ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بعد از جنگ جو عارضی حکومت قائم کی جائے اس میں مسلمانوں کو پچاس فی صد حصہ دیا جائے۔"

اگر ایسا ہو جائے تو ہم کہہ سکیں گے ؎

کیا خوب ہوئی آشتی شیخ و برہمن ؏ اس جنگ میں آخر نہ یہ جیتا نہ وہ ہارا

برطانوی ہند جس چیز کو مسترد کر دیتا ہے اس کو حیدرآباد نہایت فخر کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ کرکٹ کے میدان میں مقابلے کرتے ہی جو چلے فرقہ وارانہ بنیاد پر ٹیموں کی تشکیل جب وہاں مسدود ہو گئی تو حیدرآباد اس بدعت فاسدہ کو حیات دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

خوب یاد آیا! ہم مولوی اشفاق احمد صاحب کو ان کی خان بہادری کی مبارکباد دینا بھول ہی گئے تھے۔

مسٹر جناح اس تیز نظر کی بدولت جو انہیں قدرت سے ملی ہے اس شعر (استصواب عام) کو ایک اچھے بے خبر نہیں رہ سکتے تھے۔ چار آنکھوں کے گئے ہیں ایک آنکھ کے باندھ دینے سے عوام تو دھوکا کھا سکتے ہیں مگر اہل نظر نہیں کھا سکتے۔

(ترجمان حق!)

یاد رہے کہ یہ مضمون مسٹر جناح کے موقف کی تائید میں لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی پچھلا عبارت بالا کو مسٹر جناح کے گوش گزار کرے اور اس کا ترجمہ بھی سنا دے تو مسٹر جناح یہی کہہ سکتے ہیں "مجھے وہ نظر ہی نہیں چاہئے جس کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہو!"

پٹرول راشننگ سے متعلق ہمارے ایک دوست کا خیال ہے کہ یہ ایک ایسی تنظیم ہے جس میں کوپن سے کم اور بغیر کوپن کے کثیر مقدار میں پٹرول فراہم ہوتا ہے۔

اردو کانگریس کے سلسلہ میں جو مہمان حیدرآباد آئے ہوئے تھے ان میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ہر شہر میں فٹ پاتھ پیدل چلنے والوں کے لئے مختص ہوتا ہے۔ مگر کیا بات ہے کہ حیدرآباد میں فٹ پاتھ پر پیسے کی دوکانیں، ترکاری کی دوکانیں، سائیکل اسٹانڈ، پرانے سامان کی دوکانیں قائم ہیں اور حجاموں اور موچیوں کی نشست گاہیں مقرر ہیں۔ کیا قانون بلدیہ میں ان چیزوں کی ممانعت نہیں!

ہم نے کہا کہ قانون بلدیہ کی ممانعت تو ہے مگر اس قانون کی تعمیل کرانے کے لئے ایک عامل بلدیہ کی ضرورت ہے۔

مسٹر جناح نے سری نگر کشمیر سے ایک صحافتی بیان جاری کیا جس میں وہ فرماتے ہیں کہ اختلافات بحث و استدلال اور تبادلہ خیالات سے طے ہو سکتے ہیں نہ کہ غنڈہ پن سے۔ کیا کشمیر میں ابھی کوئی "ابن الوقت" پیدا ہو گیا ہے؟

---

۲۹ جولائی کے "ٹائمز آف انڈیا" میں ایک طالب علم کا مکتوب شائع ہوا ہے جس میں اس نے تحریر کیا ہے کہ ہم ہندوستانی طلبہ کو سیاسی لیڈروں نے ہمیشہ گمراہ کیا۔ ہمارا طبقہ ان کی ہوس اقتدار کا ہمیشہ شکار رہا۔ ہم ان کی اغراض کے آلہ کار بنائے جاتے ہیں۔ ہم تعلیم پانے کے بجائے تحریکات میں کود پڑتے ہیں اور اپنی خانہ خرابی کا سامان تیار کرتے ہیں۔

اس اخبار کا ایک تراشہ ہم نے انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ کے دفتر پر بذریعہ ڈاک روانہ کیا تھا مگر وہ پتہ نہ چلنے کی وجہ سے واپس آگیا۔

...ش کمیٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس

مجلس نمائش کی عاملہ کا پہلا اجلاس بتاریخ ۲ شہریور ...ارت نواب زین یار جنگ بہادر منعقد ہوا۔ اولاً نواب ...لی خاں صاحب نے جدید صدر کا خیر مقدم کرتے ہوئے ...ذیل قرارداد پیش کی۔

"مجلس نمائش کی عاملہ کا یہ جلسہ نواب زین یار جنگ ...جنھوں نے ابتداء نمائش سے اپنی ہمدردانہ امداد ...ماس سے نمائش کو کامیاب بنانے میں قابل ...بحیثیت صدر مجلس نمائش دلی خیر مقدم کرتا ہے اور ...رکھتا ہے کہ انشاء اللہ آپ کی صدارت اور رہنمائی میں ...سال کی نمائش اچھی آپ شان ہوگی۔ اس سال ...نمائش ...ایک نئی مستقل اور شایان شان عمارت میں ہوسکے گی۔

... اعلیٰحضرت بندگانعالی نے براہ مہر خسروانہ نواب ...زین یار جنگ بہادر کو معتمد المہامی تعمیرات کے عہدہ جلیلہ پر ...فرمایا ہے مجلس عاملہ کا یہ جلسہ نواب صاحب ممدوح کو ...سرفرازی پر دلی مبارکباد دیتا ہے۔ مجلس نمائش کی تمنا ...ہے کہ نواب صاحب موصوف کی رہنمائی میں سرشتہ ...میں نئی نئی تعمیرات اور آبپاشی کی اسکیمیں روبعمل ...ملک کا سپاہی مرتبہ بلند اور رعایا کی ہر جہتی ترقی اور ...ترقی خاطر خواہ ہوگی۔"

...امور طے شدہ کے منجملہ ایک امر ارشاد شاہانہ کی ...مصنوعات ملکی کی ...کا مسئلہ تھا اس ضمن میں یہ ...کمیٹی رہی کہ ۲۵ لاکھ روپئے کے سرمایہ سے ایک مشترکہ ...رجسٹر کرائی جائے اور یہ کام اس کمیٹی کے سپرد کیا جائے ...تفصیلات کی ترتیب کے لئے مولوی سید محمد علی صاحب ...کو مجاز کیا گیا ہے۔

... ساتویں نمائش مصنوعات کے لئے جو کمیٹی ذی ...سے منعقد ہوگی شعبجات کی حسب ذیل تقسیم ...(۱) ...منشی ...ہ بحیثیت خازن مجلس ...تنقیح حسابات فروخت ٹکٹ اور عاید شدہ رقومات ...دار ہوں گے (۲) مولوی سید محمد علی صاحب مرسوی ...انتظامات (۳) شعبہ روشنی و تیاری اسٹال مولوی ...محمود صاحب ...نگار ناظم تعمیرات مہیک (۴) ...ادارہ جات کارخانہ جات کی امداد و شرکت زیر اہتمام ...مردوات اور تقسیم شارات، نواب میر اکبر علی خاں صاحب ...(۵) انتظام تفریحات مولوی مشتاق احمد خاں صاحب ...کمرشیل منیجر ریلوے (۶) اہتمام مجالس ناظم مولوی خواجہ ...صاحب کے سپرد "ان ...کے مصنوعات کی نمائش ...انتظام کیا گیا جو خود اپنا اسٹال قائم نہیں کرسکتے مگر ...نمائش کرنا چاہتے اور بیرونی اضلاع کے ...سے بھی اپنا سامان روانہ ...کریں گے (۷) نمائش کا ...شعبہ سال گذشتہ راجہ ...گرد ...صاحب نائب ...متعلق ہے گی (۸) نمائش سے ...نشر و اشاعت مولوی محمد فاروق صاحب نائب

...متعدد سیاحات سے ذمہ کی گئی (۹) بہ دوران نمائش معاشی کانفرنس کا انعقاد مولوی خواجہ حمید احمد صاحب معتمد معاشی کمیٹی کے سپرد ہوا۔ (۱۰) نواب زین یار جنگ بہادر نے اپنے ذمہ شعبۂ فنون لطیفہ حاصل فرمایا ہے۔

طے کیا گیا کہ سال حال نمائش میں ایک اسٹال طیلسانین عثمانیہ کی خدمت ملک اور علمی کارناموں سے اظہار کے لئے قائم کیا جائے۔

"فرقہ واریت کھیل کے میدانوں میں ناقابل برداشت ہے"

مسٹر میر اکبر علی خاں کا بیان

"فرقہ واریت کھیل کے میدانوں میں یقیناً ناقابل برداشت ہے۔" ان الفاظ میں مسٹر میر اکبر علی خاں نے ان افواہوں پر کہ حیدرآباد میں عنقریب فرقہ وارانہ اساس پر کرکٹ یا ہاکی ٹورنمنٹ منعقد ہوں گے بیان جاری کیا ہے۔ انھوں نے کہا میں توقع کرتا ہوں کہ یہ خبر بے بنیاد ہوگی۔"

آگے چل کر مسٹر میر اکبر علی خاں نے کہا جب برطانوی ہند فرقہ واریت کا سنگین فرقہ وارانہ کرکٹ کے مقابلے ترک کئے گئے ہیں تو پھر اس قسم کی لعنت کو حیدرآباد میں درآمد کرنے کی کوشش کرنا کسی طرح انصاف پر مبنی نہیں اس لئے کہ حیدرآباد بہ نسبت دوسرے مقامات کے بہت کم فرقہ وارانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ میں اس امر پر زور دوں گا کہ اس قسم کا خیال قطعاً ترک کردیا جائے۔ غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر ٹیمیں تشکیل دی جاسکتی ہیں لیکن ہندوؤں مسلمانوں پارسیوں عیسائیوں کے بین مقابلہ کرکٹ نہیں ہے۔ یہ مردہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ مجھے توی توقع ہے کہ مقامی صحافت اور عوامی ادارے اس فرقہ وارانہ کرکٹ کو کم از کم ہماری مملکت میں بے عمل بنادیں گے پھر بھی اگر منتظمین اس کے انعقاد کی کوشش کریں تو ایسی صورت میں ہمیں اس کے روکنے کی کوئی عملی تدابیر اختیار کرنی ہوگی۔

تنقید و تبصرہ

ہندوستانی ادب کا افسانہ نمبر

گزشتہ مہینے "ہندوستانی ادب" نے اپنا ایک افسانہ نمبر شائع کیا ہے جو (۱۳۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نمبر تین حصوں پر منقسم ہے۔ مقالے، افسانے اور منظوم افسانے۔

پہلے حصہ میں "افسانے کا ارتقاء اور اس کی فنی خصوصیات"، "سجاد حیدر یلدرم اور ترکی افسانے"، "افسانہ نگاری کی تکنیک"، "ہمارے افسانے"، "جدید افسانے اور عریانیت" کے عنوانات کے تحت مختلف مقالے ہوتے ہیں جن کے مطالعہ سے افسانے کے ہر پہلو کا جواب مل سکتا ہے اور یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں افسانوں کا رواج کب سے ہوا، قصے اور کہانیوں کی افسانوی اہمیت کو کب محسوس کیا گیا، مشرقی افسانے کس رنگ میں ہوا کرتے تھے، اور مغربی افسانوں کا ان پر کیا اثر پڑا اور ادب میں افسانوں کی کیا اہمیت ہے۔ دوسرے حصہ میں بیس افسانے درج ہیں۔ ان میں بعض افسانے بہت دلچسپ ہیں اور زیادہ نفسیاتی اور اصلاحی قسم کے ہیں اور عریانیت سے پاک ہیں۔ حصہ نظم ذرا پھیکا ہے۔ بحیثیت مجموعی ہندوستانی ادب کا یہ خاص نمبر اپنی نوعیت کے اعتبار سے دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ ہم مولوی غلام محمد خاں صاحب کو ان کی اس کامیاب کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں۔

جدید افسانے اور عریانیت

از
ف ۔ بیگم ادا

ہندستانی ادب میں ترقی پسندی کی تحریک کوئی نئی چیز نہیں ہے اس کے دو اہم پہلو ہیں ایک رومانوی تحریک دوسری حقیقت یا واقعیت پسندی کی اس تحریک سے ادب کو فائدہ پہنچ رہا ہے یا نقصان اس کے متعلق مختلف خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ مشرق و مغرب کے امتزاج کی افادیت کے بارے میں جو شبہات پیدا ہو رہے ہیں وہ میرے خیال میں ایک حد تک بلکہ بڑی حد تک درست ہیں کیونکہ ان بے شمار پھولوں کے ساتھ ساتھ چند کانٹے بھی پیوستہ نظر آ رہے ہیں۔

گذشتہ دو ایک سال میں جس تحریک نے زیادہ اہمیت حاصل کر لی ہے وہ عریانیت ہے۔ یہ بھی ترقی پسند ادب کا ایک شاخسانہ ہے کیونکہ ہر اس ادبی تخلیق کو ترقی پسند سمجھا جا رہا ہے جو خیال آور ہو اور ذہنی اور جسمانی زندگی کے کسی شعبہ میں چند قدم آگے بڑھنے پر مجبور کرے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن کی آندھی نے جب چہروں سے نقاب الٹ دی تو افسانہ نگاروں کے ایک طبقے نے یہ محسوس کیا کہ ادب زندگی سے قریب ہوتے ہوئے بھی بہت دور ہے۔ ادب کو زندگی کے قریب لانا چاہئے اور اتنا قریب کہ دونوں آپس میں مدغم ہو جائیں ادب اور زندگی میں تمیز دشوار ہو جائے چنانچہ رومانیت کو بھی واقعیت میں تبدیل کیا جانے لگا۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ انقلابی تحریک رفتہ رفتہ بہت خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے اور یہ نام نہاد ترقی پسند ادیب حقیقت نگاری کی آڑ میں عریانیت کو ادب اور بالخصوص افسانوی ادب میں سمو رہے ہیں۔ ان کا مقصد زندگی کے داخلی و خارجی پہلو کے ساتھ وہ تاریک پوشیدہ اور گھناؤنے مناظر بھی پیش کرنا ہے جنہیں مہذب لوگ سماج کی نظروں سے ہمیشہ پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں یا پوشیدہ رکھنے کا رجحان رکھتے ہیں ان میں احمد علی، سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی کے نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

آیئے ذرا ہم ایک قدم ماضی کی طرف چلیں جس زمانے میں پریم چند ہندوستانی ادب میں مختصر افسانوں کی داغ بیل ڈال رہے تھے ہندستان میں انگریزی ترجمہ کا دور شروع ہوا۔ مغربی ادیبوں کے بہترین شاہکار ہندستانی میں منتقل کیے گئے اس طرح افسانہ نگاری کے مذاق میں تنوع پیدا ہو گیا۔ غیر زبانوں کے تراجم میں مصنفین کی نمائندگی کرنے میں وہ موپاساں، چیخوف، گورکی، طالسطائی کا تذکرہ اور ونگسٹن اور گنگ وغیرہ ہیں۔ اس میں شک نہیں ان بلند پایہ افسانوں کے تراجم سے ہندستانی افسانہ نگاری کو فائدہ پہنچا لیکن بعض وشکن نقائص بھی پیدا ہوئے۔ متذکرہ بالا تراجم میں سب سے زیادہ اور وسیع اثر جس مغربی مصنف کا ہوا وہ فرانسیسی افسانہ نویس موپاساں کا تھا۔ اس کے افسانوں کی عریانیت نے عجیب و غریب فروغ پانا شروع کیا اور پھر تو نوجوانوں کے ایک طبقے نے جو افسانوں کے پامال مواد و ماحول سے بیزار آ چکا تھا اس تحریک کا مطالعہ کیا اور بغیر یہ سوچے سمجھے کہ مشرقی معاشرت کی ایسی فضا میں جہاں عورت نے اپنے مقدس رخ سے پورا نقاب بھی نہیں اٹھایا۔ عریانیت سے کھلم کھلا کھیلنے لگے۔ مغربی افسانوں کے ان جنسی پہلوؤں کو یا مشرقی اصول کی روشنی میں ناقابل برداشت نظر آتا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ان فواحش کے بلندوں میں سے بعض جسے مثال کے طور پر آپ کے سامنے پیش کروں یہ بات صاف طور پر واضح کئے دیتی ہوں کہ اس فرض کو میں نہایت تکلیف کے ساتھ انجام دے رہی ہوں۔ ہر چند یہ چیز اچھی نہیں ناگزیر طور پر ان کو پیش کرنا پڑ رہا ہے موپاساں کے "پلنگ" مسکو کا حصہ نقل کرتی ہوں۔

"ہم اس پر پیدا ہوتے ہیں پھر زندگی کی
بہار کو اسی پر محسوس کرتے ہیں......
ان دو محب اور محبوب کا تصور کرو جو
زندگی کے اس معبد میں...... مسرت
سے بیخود ہیں...... اور ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ...... زندگی اور مسرت
کی بے پناہ موجیں رہ رہ کر اٹھ رہی ہیں
کیوں کہ اس پا محبت کا مجنون انگیز
راز شرمندۂ تکمیل ہو رہا ہے آخر دنیا
میں اس...... سے زیادہ کونسی
شئے مکمل اور قابل ترجیح ہو سکتی ہے"

ایک دوسرے افسانے "بوڑھا" کا ایک منظر دیکھئے۔

"لڑکی نے کندھے اچکا کر کہا نے تو
کیا سب لوگ نہیں جانتے کہ یہ بچہ وکٹر
سے ہے یہ کوئی بری کی بات ہے
...... بے یا اتفاق کا کام
میں اس سے شادی کر لیتی اگر وہ ما
ہمارا خادم نہ ہوتا"

ایک دوسرے مغربی افسانہ نگار سومرسٹ ماہم کے شاہکار "خسرو" اور "برنگاہ" ڈالئے۔ رچرڈ ایک خوش باش [illegible] تنہا اکیلا انسان بہت شاکی ہے [illegible] ملتی ہے بڑھ کر گھر کا کاروبار چلا سکے۔ [illegible] حسین ہے، جوان ہے اور خوش شکل ہے اور [illegible] "سیر و تفریح کے خیال سے وہ اسے تھیٹر لے جانے کو تیار ہو گیا۔

"وہ تھیٹر کے ہال سے اندر گئی اور
پانچ ہی منٹ میں اپنے کپڑے تبدیل
کئے۔ نیلا فراک سیاہ ہیٹ اور گردن
پر اس نے لومڑی کی کھال لپیٹ رکھی
تھی۔ رچرڈ کو یقین تھا کہ اسے دیکھ کر
کسی کو بھی یہ گمان نہ ہوگا کہ وہ گھر کی
ایک خادمہ کے ساتھ سینما جا رہا ہے"

اور جب وہ گھر آئے تو آسمان پر ستاروں کا ایک ہجوم سا رہا تھا۔ وہ اسے کھانا کھلانے کے لئے ایک ریسٹورنٹ میں لے گئے۔ جہاں شراب کا دور بھی چلا اور پھر دیر کے بعد گھر پہنچ گئے

"شب بخیر جناب" اس نے کہا "بہت
بہت شکریہ" "شب بخیر پیاری" وہ بولا
——— اس کے ہونٹ
بہت نرم تھے ——— بڑھاپے میں ایک
تندرست عورت کا بوسہ ——— وہ بہت
خوش تھا۔

اس کا معمول تھا کہ صبح جب چپکے سے اس
کی ڈاک لے کر آتی تو وہ بستر پر ہوتا۔
لیکن اگلے دن صبح ساڑھے سات بجے
ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے جسم
پر ایک کپکپی سی طاری تھی وہ روزانہ دو
تکیے سرہانے لگا کر سوتا تھا لیکن آج
ایک غائب تھا۔ اس نے پریشان نظروں
سے دیکھا دوسرا تکیہ اس کے قریب پڑا
تھا اس پر کسی کا سر رہا تھا لیکن ظاہر تھا
کہ وہاں کوئی اور بھی رات بھر لیٹا رہا
تھا اس کا دل بیٹھنے لگا اور بے اختیار
منہ سے نکلا "میرے اللہ! میں کتنا
احمق ہوں۔ خادمہ سے معاشقہ"

آپ نے دیکھا مغربی افسانوں کی یہی وہ عریانیت ہے جو ترقی پسندیت کا روپ لئے ہوئے ادب پر چھا رہی ہے ٹھیک ٹھیک طور پر تو بتایا نہیں جا سکتا کہ اس کی ابتدا کس نے کی لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ احمد علی کے افسانوں میں یہ مواد ایک مدت سے پلتا نظر آ رہا ہے۔ جو واقعہ کی ایک رات میں یہ آتش فشاں کس طرح پھوٹتا ہے

"بھیڑ پنچھیوں کی ویرانی کر کے کی طرح
کے آنچل میں ڈھونڈ رہا تھا اور اس کی دوسری
جگہ پیش ان بوسوں کے مزے لوٹ رہا تھا"

جو سیکڑوں ہونٹوں کے چھوئے ہوئے چھوٹے گالوں پر دیئے جاتے ہیں جن کا بوسہ لینے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہونٹ کسی بے جان چیز سے مس ہو گئے ہیں۔"

دوسرا نمونہ وہ افسانہ ہے جب بھیرا اور جگدیش کرنے کی عورتوں کی تلاش کرتے کرتے ان کی خوابگاہوں تک جا پہنچتے ہیں۔

"بھیرے نے اپنا ہاتھ اس کی بغل میں ڈال دیا — عورت نے جواب میں اس کی طرف ترستی ہوئی نظروں سے دیکھا ——

جگدیش جو ایک اور عورت سے باتیں کر رہا تھا انگریزی میں بولا "کیسی ہے؟"

بہت اچھی — سب سے بڑی بات یہ ہے کہ چنچل ہے ——

عورت ان کا منہ تک رہی تھی۔ کیونکہ وہ تو انگریزی باتیں کر رہے تھے۔ بھیرے نے جگدیش سے پوچھا۔ "یہ کیا مانگتی ہے"

"بہت ہی دس کہو اس سے زیادہ نہیں" بات دس پہ طے ہو گئی۔ اور جگدیش بھی اٹھ کر میں بیٹھ گیا ——"

اس مختصر نمونے سے ظاہر ہے کہ مغربی افسانوں نے عریانیت کے جو حدود اپنے لئے قائم کئے تھے ہندوستانی افسانہ نگاری اپنے ارتقائی مراحل ہی میں ان سے کئی قدم آگے بڑھ چکی ہے اور خدا کرے اس کی ترقی کی رفتار یہی قائم رہے۔

لیکن ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے۔ سعادت حسن منٹو کی "کالی شلوار" والی سلطانہ طوائف کی بھی ایک جھلک دیکھتے چلئے۔ طرز بیان کس قدر چٹخارے دار ہے۔

"انبالہ چھاؤنی میں اس کا دھندا بہت اچھا چلتا تھا۔ چھاؤنی کے گورے شراب پی کر اس کے پاس آ جاتے تھے اور وہ تین چار گھنٹوں ہی میں آٹھ دس گوروں سے بیس تیس روپے پیدا کر لیا کرتی —— مگر یہاں دہلی میں وہ جب سے آئی تھی ایک گورا بھی اس کے یہاں نہ آیا تھا۔ تین مہینے اس کو اس شہر میں رہتے ہوئے ہو گئے تھے مگر صرف چھ آدمی اس کے پاس آئے تھے صرف چھ یعنی مہینے میں دو۔ اور ان چھ سے اس نے خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ساڑھے اٹھارہ روپے وصول کئے تھے۔"

میں اس افسانے کے کلائمکس تک آپ کو نہیں لے جاؤں گی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اسے برداشت نہیں کر سکیں گے یہی ترقی پسند ادب کی دوسری ہیروئن اپنی [illegible] پر یوں بے نقاب ہوئی ہے۔

"دن بھر کی تھکی ماندی معا بعمی ابھی اپنے بستر پر لیٹی تھی اور لیٹتے ہی سو گئی تھی۔ میونسپل کمیٹی کا داروغہ صفائی جسے وہ سیٹھ کے نام سے پکارا کرتی تھی ابھی ابھی اس کی ہڈیاں پسلیاں جھنجھوڑ کر شراب کے نشے میں چور گھر کو واپس گیا تھا۔

وہ ساگوان کے لمبے اور چوڑے پلنگ پر اوندھے منہ لیٹی تھی۔ اس کی باہیں جو کندھوں تک ننگی تھیں، دائیں بازو کی بغل میں شکن آلود گوشت ابھرا ہوا تھا جو بار بار مونڈنے کے باعث ہلکی نیلی رنگت اختیار کر گیا تھا اس وقت سوگندھی (طوائف کا نام) تھکی ہاری درد سے چور تک سوئی ہوئی۔ رات کے دو بجے یہ کون آیا تھا!"

اب میں ایک تقابلی نمونہ پیش کرتی ہوں۔ یہ عاشق حسین بٹالوی کے افسانے "میں ہوں اپنی شکست کی آواز" سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی طوائف ہی بستر استراحت پر ہے۔ وہی کیفیت جسے منٹو نے اپنے خاص بھونڈے انداز میں پیش کیا تھا عاشق حسین کس لطیف اور سنجیدہ پیرائے میں اسی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں افسانہ نگاری کا کمال۔

"وہ آج بھی حسب معمول دیر سے اٹھی۔ سورج کبھی کا طلوع ہو چکا تھا ...... روز مرہ کی طرح آج بھی اس کی نیند پوری نہ ہوئی تھی کہ شہسوار مشرق کے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا اور تمام اعضا میں ایک ناقابل بیان شکستگی ایک بے اندازہ اضمحلال محسوس کر رہی تھی گویا کسی بار کو گردن سے اتار کر اس نے پرے پھینک دیا تھا۔ یاسمین اور عطریات میں بسے ہوئے بالوں کی ترتیب جو گزشتہ شام کی ایک پر از احتیاط مصروفیت کا نتیجہ تھی اب درہم برہم ہو گئی تھی بالوں کی برہمی سے بے خبر لباس حریر کی پریشانی سے بے نیاز نرم و گداز بستر کی بغاوت سے غافل وہ آنکھیں کھولے لیٹی ہوئی تھی۔

تمازت آفتاب کی تیزی اب اسے اٹھنے پر مجبور کر رہی تھی وہ حرکت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ حرکت کرنے سے ڈرتی تھی کہ مبادا اس کا بند بند ٹوٹ جائے۔"

گویا ترقی پسند ادیب نے مختصر افسانے کی ہیئت اور موضوع دونوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ معاشرت کی ناہمواریوں نے پیٹ اور جنس کی بھوک کو تیز کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عورت زمانہ قدیم کی بہ نسبت اب زیادہ آزاد ہو چکی ہے اسے اپنے شوہر اور بچے کے علاوہ اور مردوں سے بھی سابقہ پڑنے لگا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نسوانی تمدن پر کا انقلابی طوفان شروع خصوصاً میں جب ہمارے ادب پر مسلط ہوا تو ادیبوں بالخصوص افسانہ نگاروں نے افسانوں کے ماحول سے اس بازاری عورت کو کبھی کو نکال باہر کیا جنہیں رسوا اور سعید وغیرہ نے اپنے ناولوں میں ضرورت یا زبردستی جگہ دے رکھی تھی اور اب جبکہ — سماجی زندگی اور اس کے مختلف پہلو مضامین کی صورت گزر کر بحر اشتراکیت میں شامل ہوتے جا رہے ہیں اور حقیقی زندگی کی ترجمانی کا ضابطہ "کلائمکس" پہ پہنچ چکا ہے احمد علی، منٹو، غلام عباس اور بلراج ساہنی وغیرہ اس عورت بازاری کو پھر ایک مرتبہ افسانے کے راج بھون میں پھولوں یا کانٹوں کی سیج پر بٹھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایک تنقید نگار لکھتا ہے — "ہمارے ناولوں کی زینت تو وہ شائستہ اور طوائف تھی جس کے یہاں امیرزادے آداب محفل سیکھنے کے لئے بھیجے جاتے تھے مگر اب ہمارے ترقی یافتہ ادب میں اس کی جگہ کالی کوٹھڑی والی کسبی نے لی ہے۔"

یہ ترقی پسندیت آخر کو رنگ لا کر رہی۔ مرد تو مرد تھے عورتیں ان کے کان کترنے لگیں۔ یہاں میری مراد خاص طور پر عصمت چغتائی سے ہے۔ ترقی پسند ادب انہیں عورت کی نفسیاتی تحلیل کا ماہر مانتے ہیں۔ عصمت چغتائی کے ابتدائی افسانے میں ان کا آرٹ زندگی کی دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرتے ہوئے کسی اونچے معراج کی تلاش میں نظر آتا تھا لیکن زندگی نے آرٹ پر فتح پائی اور عصمت چغتائی جیسے عصمت شعار طبیعت میں ان کا آرٹ اپنی بلندیوں سے گر کر نشیب پر آ رہا۔ ابتداً جب انھوں نے عریانیت کے عنصر کو اپنے افسانوں میں داخل کرنا شروع کیا تو ایک مشہور ادبی رسالے کے ایڈیٹر نے لکھا "ہمارا خیال ہے وہ اس سرحد پر آ پہنچی ہیں جہاں سے فی الحال ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا چاہئیے اور اپنی رفتار کو ذرا سنبھالنا چاہئیے" یہ اشارہ ذیل کے افسانہ "تاریخی" کی طرف تھا۔ اس افسانے کے دو پلاٹ ہیں اور صرف دو ہی اصل کیریکٹر۔ ایک بھائی ایک بہن۔ انہیں دونوں کے گرد افسانے کا پلاٹ گھومتا ہے بہن ایک نوجوان پڑوسی سے آشنائی پیدا کرتی ہے اور نتیجے کے طور پر اپنے پاؤں بھاری کر لیتی ہے۔ بھائی ایک نیچ ذات کی عورت سے عشق [illegible] پیدا کرتا ہے۔

"آگئے بابوجی" اس نے پلیا کے پیچھے سے لپک کر کہا "کب سے کھڑی ہیں!"

وہ روٹھنے کے انداز میں بولی

میں نے بائیسکل کو پیڑ سے لگا کر ڈال دیا اور ایک راجہ کی طرح پلیا پر بیٹھ گیا وہ میرے گھٹنے ٹھوڑی پر رکھ کر اندھیرے میں میری آنکھیں ڈھونڈنے لگی۔ مگر رات اندھیری تھی۔

"ارے تجھے ٹھنڈ نہیں لگتی" میں نے اندھیرے میں اسے ٹٹولا۔ وہ گرم پانی کی بوتل کی طرح گرم اور سینکی ہوئی تھی۔ اس نے صرف ایک گہری سانس لی اور ہنس دیا

"اونہوں!" میں نے پسینے اور خاک دھول میں اٹے ہوئے جھٹکے سے ہولا کر کہا۔

"دو کا ہیں؟" "ہی ہی ہی" وہ ہنسی اور اپنے سر کو کھجانے کی کوشش کرنے لگی۔ بالوں کا حال خاک اور میل میں گندھا ہوا سر پر ایک ٹوپی کی طرح منڈھا ہوا تھا۔ مگر پیچھے سڑک والے پیڑوں کی کٹی ہوئی تازہ تازہ بور کی خوشبو اور اس کے جسم کی بو مل کر مجھے بدحواس کرنے لگی۔ اس کی

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۱)

مجوزہ میڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے لئے

قوم و ملک سے اپیل

تمام اہل الرائے متفق ہیں کہ یہ ضرورت ایک عمدہ میڈیکل کالج کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ علی گڑھ میں ایک ایسے کالج کا قیام کس قدر ناگزیر ہے اس حقیقت کو مختلف حلقوں کی جانب سے بار بار دہرایا جا چکا ہے۔ جنوری ۱۹۲۰ء میں جو علی گڑھ یونیورسٹی ایکٹ پاس ہوا تھا اس کا منشا یہ تھا کہ حالات مساعد ہونے پر فوراً ہی طبی تعلیم کا انتظام عمل میں آئے۔ حال ہی میں ہز ایکسیلنسی جناب کمانڈر انچیف افواج ہند نے ملک کے لئے طبی تعلیم کے مزید انتظامات کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ہیلتھ کمیٹی نے میڈیکل گریجوایٹوں کی تعداد کے تناسب کے پیش نظر اہم اعداد و شمار فراہم کئے ہیں۔ ایسے گریجوایٹوں کا تناسب ہر دس ہزار آبادی میں ہندوستان میں اس قدر قلیل ہے کہ مغربی ممالک سے اس کو دور کی بھی نسبت نہیں۔ کمیٹی مذکور کی رائے ہے کہ جنگ کے بعد بھی گریجوایٹوں کی ضرورت زیادہ شدت سے محسوس ہوگی اور مابعد جنگ کے تعمیری پروگرام میں تمام ملک کے واسطے شاید میڈیکل کالج بھی ناکافی ثابت ہوں۔

موجودہ میڈیکل کالجوں میں مسلمانوں کے داخلے کی مشکلات اور اس پیشے میں ان کے تناسب کے روز افزوں انحطاط کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں میں من حیث القوم اس ضرورت کا احساس اور قوی ہو گیا ہے۔ سر دست ہمارے ملک میں ۴۲۹۹۳ رجسٹری شدہ ڈاکٹروں میں صرف ۳۰۷۰ مسلمان ہیں۔ جن کی تعداد سو میں ۷ سے زیادہ نہیں۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں موجودہ میڈیکل کالجوں سے کامیاب ہونے والے مسلمان طلبہ کی تعداد ۵ فیصدی کے برابر تھی۔

ان میڈیکل کالجوں کے داخلے میں مسلمان طلبہ کو عموماً اور علی گڑھ کے طلبہ کو خصوصاً انتہا سے زیادہ دشواریاں پیش آتی ہیں۔ میں نے بذات خود سال ہائے بعید میں سعی کی کہ علی گڑھ کے طلبہ کو کسی میڈیکل کالج میں داخل کرا سکوں مگر میں اپنی مساعی میں ناکام رہا۔ کئی بار کوشش کی گئی کہ دیگر کالجوں میں طلبہ کے لئے چند جگہیں مخصوص کر دی جائیں مگر بے سود۔ اس کا تدارک صرف اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمان اپنا میڈیکل کالج کھولیں۔ جس کے لئے علی گڑھ سے بہتر جگہ نہیں۔

• علاوہ بریں ہماری یونیورسٹی نے جنگ کے مختلف شعبوں میں حکومت کی اعانت کی ہے۔ لیکن مذکورہ بالا مشکلات کے باعث ہم اب تک کسی قسم کی طبی امداد پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے سوسائٹی کے محارذین جس کو سابق ایم۔ اے۔ او کالج میں اساسی حیثیت حاصل تھی ان تمام عمارات سے یونیورسٹی کی طرف سے میڈیکل کالج کو دے دیا گیا ہے اس سے قطع نظر ہمارے پاس طبیعات، کیمیا، نباتیات اور حیوانیات کی وسیع اور مکمل لیبریٹریاں (اعلیٰ) ہیں جن میں تازہ ترین آلات اور خورد بینیں موجود ہیں۔ حال ہی میں جدید ترین طرز کی ایک عمارت تکمیل کو پہونچی ہے جو یقین ہے کہ ابتدا میں چند سال تک درس اور عمل کی ضروریات کے لئے کافی ہوگی۔ فی الحال یونیورسٹی کے پاس ایک ہسپتال بھی ہے جس میں ۶۰ مریضوں کے قیام کا انتظام ممکن ہے۔ اس کے علاوہ مزید ہسپتالوں کی تعمیر کی غرض سے زمین حاصل کر لی گئی ہے۔ ان میں سے ایک کا انتساب اعلیٰحضرت نواب صاحب ریاست جوناگڑھ کے نام نامی سے اور دوسرے ہز ایکسیلنسی سر ہیلٹ گورنر صوبہ متحدہ کی ذات گرامی سے قرار پایا ہے۔ جوناگڑھ ہاسپٹل کی تعمیر کی لاگت کا اندازہ تقریباً تین لاکھ روپیہ ہے اعلیٰحضرت نواب صاحب جوناگڑھ نے اس سلسلہ میں ایک لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ اور اس کا سنگ بنیاد جناب دیوان صاحب جوناگڑھ کے دست مبارک سے رکھا جا چکا ہے۔ اور ہیلٹ ہاسپٹل کی تعمیر کے لئے جناب راجہ صاحب جہانگیر آباد نے تیس ہزار روپیہ کا عطیہ عنایت کیا ہے اور قوم کے دوسرے فیاض اصحاب سے مزید عطیات کی توقع ہے۔ ہمارے شہر میں ایک سول ہسپتال، ایک زنانہ ہسپتال اور ایک امراض چشم کا ہسپتال ہے۔ جن کو میڈیکل کالج سے ملحق کیا جا سکتا ہے۔

میڈیکل کالج کی انجمن مشاورت کی تشکیل عمل میں آ چکی ہے جو ہندوستان کے ممتاز و نامور ماہرین طب پر مشتمل ہے۔ انجمن مذکور نے اثاثہ، فرنیچر، ہسپتال، لوازم، عجائب گھر اور تمام دیگر جزئیات کی فہرست مرتب کر لی ہے۔ ہسپتالوں، لیبریٹریوں اور ضروری لوازم و آلات کی لاگت کا تخمینہ پچیس لاکھ روپیہ کے قریب کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ امید ہے کہ مسلم یونیورسٹی کی ہفتاد سالہ جوبلی کے موقع پر جو سنہ ۱۹۴۵ء میں منائی جانے والی ہے ہم رقم مذکور فراہم کر لیں گے۔ رقوم فراہم کرنے اور جوبلی کو کامیاب بنانے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ جوبلی کی آمدنی تمام تر میڈیکل کالج کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے جس طرح سابق جوبلی کی آمدنی انجینئرنگ کالج کے واسطے مخصوص کر دی گئی تھی۔ ابتدائی منازل میں کالج کے مستقل اخراجات کا اندازہ جس میں تین سو مریضوں کے قیام کے مصارف شامل ہیں پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کے بقدر کیا گیا ہے۔

ہر سال داخل ہونے والے طلبہ کی تعداد پچاس ہوگی جس میں دس طالبات بھی شامل ہوں گی۔ امید ہے کہ پہلا داخلہ اگست سنہ ۱۹۴۳ء میں ہوگا اور جوبلی کے موقع پر دسمبر ۱۹۴۵ء میں کالج کا رسمی افتتاح عمل میں آئے گا۔ یہ صحیح ہے کہ جنگ کے زمانہ میں میڈیکل کالج کے لئے سامان کی فراہمی دشوار ہے لیکن چونکہ ہسپتالوں کا وجود خود جنگ کے مقاصد میں داخل ہے اس لئے ہمیں پورا وثوق ہے کہ ضروری سامان دستیاب ہو جائے گا۔ علم وظائف الاعضا اور علم تشریح الابدان کی تعلیم کے سلسلہ میں ایسے لوازم و آلات کے حصول کے انتظامات جاری ہیں۔ جنکی ابتدائی دو سالوں میں ضرورت پیش آئے گی یہ امر موجب مسرت و اطمینان ہے کہ والیان ریاست، ملک، حکومت اور قومی حکام کی طرف سے اس خصوص میں برابر ہمت افزا تائید ہو رہی ہے۔ جو ہمارے مقصد کے لئے یقیناً فال نیک ہے۔

اس وقت میڈیکل کالج کی ضرورت زمانہ جنگ اور نیز مابعد جنگ کے تعمیری لائحہ عمل میں اظہر من الشمس ہے۔ ہمیں امید ہے کہ بعض مخصوص سہولتوں کے پیش نظر (جو سر دست ہمیں میسر ہیں) علی گڑھ میں کالج مذکور کی تاسیس کفایت سے ہو جائے گی۔

مسلم یونیورسٹی کے تمام ہی خواہوں سے جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور نیز ان حضرات سے جو طبی تعلیم کی ترقی و توسیع کے خواہاں ہیں ہماری **پر زور اپیل** ہے کہ میڈیکل کالج کی اسکیم کو کامیاب بنانے میں ہر طرح ہماری اعانت فرمائیں۔ اسی کے ساتھ ان اہل خیر و فیاض اصحاب سے جو خیر الناس من ینفع الناس (بہتر انسان وہ ہے جو انسانوں کو نفع پہونچائے) مطابق مخلوق کی راحت رسانی اور بندگان خدا کی بہبودی کو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ سمجھتے ہیں ہماری استدعا ہے کہ اپنے فیاضانہ عطیات سے کالج کی اساس کو مستحکم کریں۔

ضیاء الدین احمد

وائس چانسلر

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اہل اسلام کس طرح ترقی کر سکتے ہیں

خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ رسالہ اس قدر مقبول ہوا ہے کہ اب اس کو چوتھی بار طبع کروا کر بھائیوں کو صرف ایک پیسہ کا ٹکٹ آنے پر مفت ارسال کر دیا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ:- سکریٹری انجمن ترقی اسلام سکندرآباد دکن

جدید افسانے اور عریانیت

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

بات پر کھلکھلا کر ہنسنے سے گردوں کی جھنکار ۔ میں سب کچھ بھول گیا ۔ وہ پستان نما ابھار پھکاڑنے سے قہقہہ مارا ۔ جو ادق کے مریض کی طرح لمبی لمبی سانس کھینچ رہی تھی ۔ رات کی تاریکی اور گہری ہو گئی ۔

اس واقعے کو دو مہینے بیت گئے ۔ اور پھر اسٹیج پر سے دوسرا پردہ اٹھتا ہے تو اس کا بیباکانہ انجام یوں ہمارے سامنے آتا ہے کہ

”جیسے ہی میں اور پست میز کے قریب پہنچے پیچھے سے کسی نے کہا ابو جی

اور تین مہینے وہ مسیح اپنی بساند لیے یہ موجود تھی ۔ اس نے اپنے گرد کی ایک بوٹی کو بہتے ہوئے اشارہ کیا جیسے کسی نے مجھے پیچھے گھسیٹ لیا ۔ جہ ۔ ریل ۔ ایک بار مجرد انسانی کپڑے کھلا کر سوکھی ہوئی بتیاں ہوا میں اچھالیں وہ کامیاب مسکراہٹ سے کبھی اس کو دیکھتی اور کبھی مجھے دیکھتی رہی ۔“

یہ تھا پہلا قدم جو عصمت نے اٹھایا لیکن اس کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ ترقی پسند ادب اب بھی بقدر ذوق عریان نہیں ہے ۔ اور تب حقیقت نگاری کے نام پر گھر یلو زندگی کی ایسی عریان تصویر پیش کی گئی کہ بے شرمی اور بے حیائی کی انتہا ہو گئی ۔ یہ افسانہ لحاف سے شروع ہو کر لحاف ہی پر ختم ہوتا ہے آغاز کچھ یوں ہوتا ہے ۔

”اگر نہیں ایک نہایت عجیب و غریب شوق تھا نواب صاحب کے یہاں تو بس طالب علم رہتے تھے ۔ نوجوان گورے گورے پتلی کمروں کے لڑکے جن کا خرچ وہ خود برداشت کرتے تھے ۔ مگر بیگم جان سے شادی کر کے تو وہ انہیں کل ساز و سامان کے ساتھ گھر ہی میں رکھ کر بھول گئے اور وہ بیچاری دبلی پتلی نازک سی بیگم تنہائی کے غم میں گھلنے لگیں ۔ بیگم جان ویران ہونے کے دروازوں میں سے ان لچکیلی کمروں والے لڑکوں کی چست پنڈلیاں اور معطر باریک شبنم کے کرتے دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے لگیں ۔“

یہاں پہنچ کر ترقی پسند افسانہ نگار کا ذہن ایک عجیب و غریب پلاٹ بناتا ہے جسے سمجھنے کی کوشش کیجیے شاید آپ کا دماغ اس گہرائی تک پہنچ سکے بیگم جان کے سوا دوسرا کیریکٹر جو اس افسانے کی جان ہے وہ ”ربو“ بیگم جان کی چہیتی نوکر خادمہ ۔

”ربو نے انہیں اچھے کرتے کرتے سنبھال لیا ان کا سوکھا ہوا جسم بھرنا شروع ہوا گال چکنے اور حسن پھوٹ نکلا ۔ ربو گو کہ کوئی

اور کام نہ تھا بس وہ سارے وقت ان کی چھپر کھٹ پر چڑھی کبھی پیر اور کبھی سر اور کبھی جسم کے دوسرے حصے دبایا کرتی ۔“

واضح رہے کہ یہ افسانہ ایک کم عمر لڑکی کی زبان سے بیان کیا گیا ہے جو اطول بھر بیگم جان ہی کے پاس رہتی ہے ۔ . . . .

تو یہ بھی کوئی افسانہ ہے ۔ ویسے ہم چپ ہو گئے ہیں ۔ آنکھوں کا پانی ڈھل گیا ہے ۔ کیا یوں فحش کی اشاعت نہیں ہو رہی ۔ اثرات محدود نہیں رہے ۔ رہی کیفیت اس وقت نئی شاعری کی ہے جو حسن و عشق کے معاملات کو زندگی سے زیادہ قریب دیکھنے کی دعوت دے رہی ہے ۔ اختر شیرانی نے اس کی داغ بیل ڈالی اور اب اس تیغ میں مزید نظمیں لکھنے والوں کی تعداد کچھ کم نہیں ۔

غرض زبان بگڑ رہی ہے اور فحش ڈالنے والے مگروں کی چار دیواری میں کام کر رہے ہیں ترقی پسندی کا جنسی پہلو ادب کے فن کا رانہ اظہار کا دوسرا نام بن گئی ہے ۔ یہ ادب ہمارے اخلاق و کردار کو برباد کر رہا ہے ملیا میٹ کر دینے کے قابل ہے یہ رجحان حد درجہ خطرناک ہے اور ہمارے فن کاروں کو زیادہ دیر تک غافل نہ رہنا چاہیے کیونکہ اس مغرب زدہ گمراہی سے عوام و خواص متاثر ہو رہے ہیں اور اس بے راہ روی کو اب زیادہ برداشت نہیں کیا جا سکتا ہے خیال ہے اگر ہمارے افسانہ نگار مولانا نیاز فتحپوری کے حسب ذیل مقولے کو پیش نظر رکھیں تو اپنی رفتار کو بہت کچھ سنبھال سکتے ہیں

”عریانی بری چیز نہیں بشرطیکہ وہ عریانی سے آگے نہ بڑھے بدن چرا کر چلے جانے میں سینہ نکال کر سامنے آ جانے سے زیادہ لطف ہے ۔“

(ہندوستانی ادب)

دوسرے محاذ پر متحدین کا حملہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

کو ختم ہو گئی ۔ وہ جرمنی اور ترکی کے مابین جن اشیا کے تبادلہ کی فہرست کی گئی تھی اس میں گزشتہ سال کے مقابلے میں پچاس فی صد کمی کر دی گئی ۔

ترکی کا مستقبل

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ترکی نے کروم کی برآمد قطعاً روک دی تھی اور کوئی اہم پیداوار خام ترکی سے جرمنی کو روانہ نہیں کی جا رہی ہے ۔ جن اشیا کے تبادلہ میں پچاس فی صد کمی کی گئی ہے ان میں تانبا کپاس اور تمباکو بھی شامل ہیں ۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ ترکی کو گزشتہ سال کے مقابلہ میں پچاس فی صد سامان سے محروم کرکے جرمنی خود کل و نقل کا انتظام کرے ۔

تین ماہ کے اندر بلقان میں جنگ کے شعلوں کا بھڑکنا اغلب ممکن ہے ۔ اسی لیے ترکی کی غیر جانبداری اہم ہے بہترین دلچسپی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ان اشیا کے بغیر جو جرمنی سے درآمد کی جاتی ہیں ترکی کیا کرے گا ۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ دار العوام میں خارجی حکمت عملی پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر ایڈن نے حال ہی میں کہا تھا کہ اگر ترکی ایشیا ۔ وقربانی کا ارادہ رکھتا ہے تو انہیں اس کا معاوضہ ملے گا ۔ اب بحر روم کا راستہ صاف ہے اور حمل و نقل کی دشواریاں کم ہو گئی ہیں ۔ اب ترکی جہاز کے ذریعہ برطانوی اخبارات بھی پانچ ہفتوں میں پہنچ جاتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صورت حال کس قدر تبدیل ہو گئی ہے مستقبل میں ترکی کیا رویہ اختیار کرے اس وقت قیاس آرائی مناسب نہیں ۔ کیونکہ چند ہفتوں کے بعد ترکی کے متعلق نہ صرف پیش قیاسی ممکن ہو گی بلکہ اس کے مستقبل کو صحت کے ساتھ متعین بھی کیا جا سکے گا ۔

(یونائیٹڈ کرسچین)

احمد یہ پریس چار مینار میں طبع ہو کر دفتر مملکت سائیکل توپ سے شائع ہوا ۔